1938

رسالہ جامعہ دسمبر ۱۹۳۵ء

B.A

291

کفن

(۱)

جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور اندر بیٹے کی نوجوان بیوی بدھیا دردِ زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ رہ رہ کر اس کے منہ سے ایسی دلخراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔ جاڑوں کی رات تھی، فضا سناٹے میں غرق۔ سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔

گھیسو نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے بچیگی نہیں۔ سارا دن تڑپتے ہو گیا۔ جا دیکھ تو آ۔

مادھو درد ناک لہجہ میں بولا۔ مرنا ہی ہے تو جلدی مر کیوں نہیں جاتی۔ دیکھ کر کیا کروں۔

"تو بڑا بے درد ہے بے۔ سال بھر جس کے ساتھ جندگانی کا سکھ بھوگا اسی کے ساتھ اتنی بیوپھائی"

"تو مجھ سے تو اس کا تڑپنا اور ہاتھ پانوں پٹکنا نہیں دیکھا جاتا"

چماروں کا کنبہ تھا اور سارے گانوں میں بدنام۔ گھیسو ایک دن کام کرتا تو تین دن آرام۔ مادھو اتنا کام چور تھا کہ گھنٹہ بھر کام کرتا تو گھنٹے بھر چلم پیتا۔ اس لئے انھیں کوئی رکھتا ہی نہ تھا۔ گھر میں مٹھی بھر اناج بھی موجود ہو تو ان کے لئے کام کرنے کی قسم تھی۔ جب دو ایک فاقے ہو جاتے تو گھیسو درختوں پر چڑھ کر لکڑیاں توڑ لاتا اور مادھو بازار سے بیچ لاتا۔ اور جب تک وہ پیسے رہتے دونوں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے جب فاقے کی نوبت آجاتی تو پھر لکڑیاں توڑتے، یا کوئی مزدوری تلاش کرتے۔ گانوں میں کام کی کمی نہ تھی۔ کاشتکاروں کا گانوں تھا۔ محنتی آدمی کے لئے پچاس کام تھے۔ مگر ان دونوں کو لوگ اسی وقت بلاتے جب دو آدمیوں سے ایک کا کام پا کر بھی قناعت کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ کاش دونوں سادھو ہوتے تو انھیں قناعت اور توکل کے لئے ضبطِ نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ یہ انکی خلقی صفت تھی۔ عجیب زندگی تھی انکی۔ گھر میں مٹی کے دو چار برتنوں کے سوا کوئی اثاثہ نہیں۔ پھٹے چیتھڑوں سے اپنی عریانی کو ڈھانکے

ہوئے دنیا کی فکروں سے آزاد۔ قرض سے لدے ہوئے۔ گالیاں بھی کھاتے، مار بھی کھاتے۔ مگر کوئی غم نہیں۔ مسکین اتنے کہ وصولی کی مطلق امید نہ ہونے پر لوگ انھیں کچھ نہ کچھ قرض دے دیتے تھے۔ سڑ یا آلو کی فصل میں کھیتوں سے مٹر یا آلو اکھاڑ لاتے اور بھون بھون کر کھا لیتے۔ یا دس پانچ اوکھ توڑ لاتے اور رات کو چوستے۔ گھیسو نے اسی زاہدانہ انداز سے ساٹھ سال کی عمر کاٹ دی۔ اور مادھو بھی سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ بلکہ اس کا نام اور بھی روشن کر رہا تھا۔ اس وقت بھی دونوں الاؤ کے سامنے بیٹھے آلو بھون رہے تھے جو کسی کے کھیت سے کھود لائے تھے۔ گھیسو کی بیوی کا تو مدت ہوئی انتقال ہو گیا تھا۔ مادھو کی شادی پچھلے سال ہوئی تھی۔ جب سے یہ عورت آئی تھی اُس نے اس خاندان میں تمدن کی بنیاد ڈالی تھی۔ پسائی کر کے، گھاس چھیل کر، وہ سیر بھر آٹے کا انتظام کر لیتی تھی۔ اور ان دونوں بے غیرتوں کا دوزخ بھرتی رہتی تھی۔ جب سے وہ آئی یہ دونوں اور بھی آرام طلب اور آلسی ہو گئے تھے۔ بلکہ کچھ اکڑنے بھی لگے تھے۔ کوئی کام کرنے کو بلاتا تو بے نیازی کی شان سے دوگنی مزدوری مانگتے۔ وہی عورت آج صبح سے دردِ زہ سے مر رہی تھی۔ اور یہ دونوں شاید اسی انتظار میں تھے کہ وہ مر جائے تو آرام سے سوئیں۔

گھیسو نے آلو نکال کر چھیلتے ہوئے کہا۔ جا کر دیکھ تو۔ کیا حالت ہے اُس کی۔ چڑیل کا پھساد ہو گا اور کیا یہاں تو اوجھا بھی ایک روپیہ مانگتا ہے۔ کس کے گھر سے آئے۔

مادھو کو اندیشہ تھا کہ وہ کوٹھری میں گیا تو گھیسو آلوؤں کا بڑا حصہ صاف کر دے گا۔ بولا۔ مجھے وہاں ڈر لگتا ہے۔

"ڈر کس بات کا ہے۔ میں تو یہاں ہوں ہی"

"تو تمھیں جا کر دیکھو نہ"

"میری عورت جب مری تھی تو میں تین دن اُس کے پاس سے ہلا بھی نہیں۔ اور پھر مجھ سے لجائیگی کہ نہیں۔ کبھی اُس کا منہ نہیں دیکھا۔ آج اس کا اگھرا ہوا بدن دیکھوں! اسے تن کی سُدھ بھی تو نہ ہو گی۔ مجھے دیکھ لے گی تو کھل کر ہاتھ پاؤں بھی نہ پٹک سکے گی"

میں سوچتا ہوں کوئی بال بچہ ہوگیا تو کیا ہوگا۔ سونٹھ، گڑ، تیل، کچھ بھی تو نہیں ہے گھر میں"

"سب کچھ آجائے گا۔ بھگوان بچہ دیں تو۔ جو لوگ ابھی ایک پیسہ نہیں دے رہے ہیں وہی تب بلا کر دیں گے۔ میرے نو لڑکے ہوئے۔ گھر میں کبھی کچھ نہ تھا۔ مگر اسی طرح ہر بار کام چل گیا"

جس سماج میں رات دن محنت کرنے والوں کی حالت اُن کی حالت سے کچھ بہت اچھی نہ تھی، اور کسانوں کے مقابلہ میں وہ لوگ جو کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتے تھے کہیں زیادہ فارغ البال تھے، وہاں اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ ہم تو کہیں گے گھیسو کسانوں کے مقابلہ میں زیادہ باریک بیں تھا۔ اور کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے شاطروں کی فتنہ پرداز جماعت میں شامل ہوگیا تھا۔ ہاں اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ شاطروں کے آئین و آداب کی پابندی بھی کرتا۔ اس لئے جہاں اس کی جماعت کے اور لوگ گاؤں کے سرغنہ اور مکھیا بنے ہوئے تھے اس پر سارا گانوں انگشت نمائی کرتا تھا۔ پھر بھی اُسے یہ تسکین تو تھی ہی کہ اگر وہ خستہ حال ہے تو کم سے کم اُسے کسانوں کی سی جگر توڑ محنت تو نہیں کرنی پڑتی، اور اس کی سادگی اور بے زبانی سے دوسرے بیجا فائدہ تو نہیں اُٹھاتے۔

دونوں آلو نکال نکال کر جلتے جلتے کھانے لگے۔ کل سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اتنا صبر نہ تھا کہ انھیں ٹھنڈا ہو جانے دیں۔ کئی بار دونوں کی زبانیں جل گئیں۔ چھل جانے پر آلو کا بیرونی حصّہ تو بہت زیادہ گرم نہ معلوم ہوتا لیکن دانتوں کے تلے پڑتے ہی اندر کا حصہ زبان اور حلق اور تالو کو جلا دیتا تھا اور اس انگارے کو منہ میں رکھنے سے زیادہ خیریت اسی میں تھی کہ وہ اندر پہونچ جائے۔ وہاں اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی سامان تھے۔ اس لئے دونوں جلد جلد نگل جاتے۔ حالانکہ اس کوشش میں انکی آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔

گھیسو کو اُس وقت ٹھاکر کی برات یاد آئی جس میں بیس سال پہلے وہ گیا تھا۔ اس دعوت میں اُسے جو سیری نصیب ہوئی تھی وہ اس کی زندگی میں ایک یادگار واقعہ تھی۔ اور آج بھی اُس کی یاد تازہ تھی۔ بولا۔ وہ بھوج نہیں بھولتا۔ تب سے پھر اس طرح کا کھانا اور بھر پیٹ نہیں ملا۔ لڑکی والوں نے سب کو پوڑیاں کھلائی تھیں۔ سب کو، چھوٹے بڑے، سب نے پوڑیاں کھائیں۔ اور اصلی گھی کی۔ چٹنی، رائتہ، تین طرح کے سوکھے ساگ، ایک ایسے دار ترکاری، دہی، چٹنی، مٹھائی۔ اب کیا بتاؤں کہ اس بھوج میں کتنا سواد ملا۔

کوئی روک نہیں تھی۔ جو چیز چاہو مانگو۔ اور جتنا چاہو کھاؤ۔ لوگوں نے ایسا کھایا، ایسا کھایا، کہ کسی سے پانی نہ پیا گیا۔ مگر پروسنے والے ہیں کہ سامنے گرم گرم، گول گول، مہکتی ہوئی کچوڑیاں ڈالے دیتے ہیں۔ منع کرتے ہیں کہ نہیں چاہئے۔ پتل کو ہاتھ سے روکے ہوئے ہیں۔ مگر وہ ہیں کہ دیئے جاتے ہیں۔ اور جب سب نے منہ دھو لیا تو ایک ایک بیڑا پان بھی ملا۔ مگر مجھے پان لینے کی کہاں سدھ تھی۔ کھڑا نہ ہوا جاتا تھا۔ چٹ پٹ جا کر اپنے کمبل پر لیٹ گیا۔ ایسا دریا دل تھا وہ ٹھاکر۔

مادھو نے ان تکلفات کا مزہ لیتے ہوئے کہا۔ اب ہمیں کوئی ایسا بھوج کھلاتا۔

"اب کوئی کیا کھلائے گا۔ وہ جمانا دوسرا تھا۔ اب تو سب کو کپھایت سوجھتی ہے۔ سادی بیاہ میں مت کھرچ کرو۔ کریا کرم میں مت کھرچ کرو۔ پوچھو گریبوں کا مال بٹور بٹور کر کہاں رکھوگے! بٹورنے میں تو کمی نہیں ہے۔ ہاں کھرچ میں کپھایت سوجھتی ہے۔"

"تم نے ایک بیس پوڑیاں کھائی ہوں گی!"

"بیس سے جیادہ کھائی تھیں۔"

"میں پچاس کھا جاتا۔"

"پچاس سے کم میں نے بھی نہ کھائی ہوں گی۔ اچھا پٹھا تھا۔ تو اس کا آدھا بھی نہیں ہے۔"

کھا کر دونوں نے پانی پیا اور وہیں الاؤ کے سامنے اپنی دھوتیاں اوڑھ کر، پاؤں پیٹ میں ڈالے سو رہے، جیسے دو بڑے بڑے اژدر گینڈلیاں مارے پڑے ہوں۔

اور بدھیا ابھی تک کراہ رہی تھی۔

(۲)

صبح کو مادھو نے کوٹھری میں جا کر دیکھا تو اس کی بیوی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس کے منہ پر مکھیاں بھنک رہی تھیں۔ پتھرائی ہوئی آنکھیں اوپر ٹنگی ہوئی تھیں۔ سارا جسم خاک میں لت پت ہو رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں بچہ مر گیا تھا۔

مادھو بھاگا ہوا گھیسو کے پاس آیا۔ پھر دونوں زور زور سے ہائے ہائے کرنے اور چھاتی پیٹنے لگے

پڑوس والوں نے یہ آہ وزاری سنی تو دوڑے ہوئے آئے اور رسم قدیم کے مطابق غم زدوں کی تشفی کرنے لگے۔

مگر زیادہ رونے دھونے کا موقع نہ تھا۔ کفن کی اور لکڑی کی فکر کرنی تھی۔ گھر میں تو پیسہ اس طرح غائب تھا جیسے چیل کے گھونسلے میں ماس۔

باپ بیٹے روتے ہوئے گانوں کے زمیندار کے پاس گئے۔ وہ ان دونوں کی صورت سے نفرت کرتے تھے۔ کئی بار انھیں اپنے ہاتھوں پیٹ چکے تھے، چوری کی علت میں۔ وعدہ پر کام پر نہ آنے کی علت میں۔ پوچھا۔ کیا ہے بے گھسوا۔ روتا کیوں ہے۔ اب تو تیری صورت ہی نہیں نظر آتی۔ اب معلوم ہوتا ہے تم اس گانوں میں رہنا نہیں چاہتے۔

گھسو نے زمین پر سر رکھ کر، آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے کہا۔ سرکار، بڑی بپت میں ہوں۔ مادھو کی گھر والی رات گجر گئی۔ دن بھر تڑپتی رہی سرکار۔ آدھی رات تک ہم دونوں اس کے سرھانے بیٹھے رہے۔ وا دارو جو کچھ ہو سکا سب کیا۔ مدا وہ ہمیں دگا دے گئی۔ اب کوئی ایک روٹی ڈوینے والا نہیں رہا مالک، تباہ ہو گئے۔ گھر اجڑ گیا۔ آپ کا گلام ہوں۔ اب آپ کے سوا اس کی مٹی کون پار لگائے گا۔ ہمارے ہاتھ میں تو جو کچھ تھا وہ سب دوا دارو میں اٹھ گیا۔ سرکار ہی کی دیا ہو گی تو اس کی مٹی اٹھے گی۔ آپ کے سوا اور کس کے دوار پر جائیں۔

زمیندار صاحب رحمدل آدمی تھے۔ مگر گھیسو پر رحم کرنا کالے کمبل پر رنگ چڑھانا تھا۔ جی میں تو آیا کہہ دیں "چل دور ہو یہاں سے۔ لاش گھر میں رکھ کر سڑا۔ یوں تو بلانے سے بھی نہیں آتا۔ آج جب غرض پڑی تو آکر خوشامد کر رہا ہے۔ حرام خور کہیں کا۔ بدمعاش۔" مگر یہ غصہ یا انتقام کا موقعہ نہ تھا۔ طوعاً و کرہاً دو روپے نکال کر پھینکے۔ مگر تشفی کا ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالا۔ اس کی طرف تاکا تک نہیں۔ گویا سر کا بوجھ اتارا ہو۔

جب زمیندار صاحب نے دو روپے دیئے تو گانوں کے بنئے مہاجنوں کو انکار کی جرأت کیونکر ہوتی۔ گھیسو زمیندار کے نام کا ڈھنڈھورا پیٹنا جانتا تھا۔ کسی نے دو آنے دیئے، کسی نے چار آنے۔

ایک گھنٹہ میں گھیسو کے پاس پانچ روپیہ کی معقول رقم جمع ہو گئی۔ کسی نے غلّہ دیدیا، کسی نے لکڑی۔ اور دوپہر کو گھیسو اور مادھو بازار سے کفن لانے چلے۔ ادھر لوگ بانس وانس کاٹنے لگے۔

گانوں کی رقیق القلب عورتیں آآ کر لاش کو دیکھتی تھیں، اور اس کی بےبسی پر دو بوند آنسو گرا کر چلی جاتی تھیں۔

(۳)

بازار میں پہونچکر گھیسو بولا۔ لکڑی تو اُسے جلانے بھر کو مل گئی ہے۔ کیوں مادھو!

مادھو بولا۔ ہاں لکڑی تو بہت ہے۔ اب کپھن چاہیئے۔

"تو کوئی ہلکا سا کپھن لے لیں"

"ہاں اور کیا۔ لاس اُٹھتے اُٹھتے رات ہو جائے گی۔ رات کو کپھن کون دیکھتا ہے"۔

"کیسا بُرا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کپھن چاہیئے"۔

"کپھن لاس کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے"۔

"اور کیا رکھا رہتا ہے۔ یہی پانچ روپیہ پہلے ملتے تو کچھ دوا دارو کرتے"۔

دونوں ایک دوسرے کے دل کا ماجرا معنوی طور پر سمجھ رہے تھے۔ بازار میں ادھر ادھر گھومتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ دونوں اتفاق سے یا عمداً ایک شراب خانے کے سامنے آپہونچے۔ اور گویا کسی طے شدہ فیصلے کے مطابق اندر گئے۔ وہاں ذرا دیر تک دونوں تذبذب کی حالت میں کھڑے رہے پھر گھیسو نے ایک بوتل شراب لی۔ کچھ گزک۔ اور دونوں برامدہ میں بیٹھ کر پینے لگے۔

کئی کُجیاں پیہم پینے کے بعد دونوں سرور میں آگئے۔

گھیسو بولا۔ کپھن لگانے سے کیا ملتا۔ آکھر جل ہی تو جاتا۔ کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا۔

مادھو آسمان کی طرف دیکھ کر بولا گویا فرشتوں کو اپنی معصومیت کا یقین دلا رہا ہو۔ دنیا کا دستور ہے یہی لوگ باہمنوں کو ہجاروں روپے کیوں دیدیتے ہیں۔ کون دیکھتا ہے پرلوک میں ملتا

ہے یا نہیں۔

"بڑے آدمیوں کے پاس دھن ہے پھونکیں۔ ہمارے پاس پھونکنے کو کیا ہے"

"لیکن لوگوں کو جواب کیا دوگے! لوگ پوچھیں گے نہیں کھپن کہاں ہے!"

گھیسو ہنسا۔ کہدیں گے روپئے کمر سے کھسک گئے۔ بہت ڈھونڈا ملے نہیں۔

مادھو بھی ہنسا اس غیر متوقعہ خوش نصیبی پر، قدرت کو اس طرح شکست دینے پر۔ بولا۔ بڑی اچھی تھی۔ بچاری۔ مری بھی تو خوب کھلا پلا کر۔

آدھی بوتل سے زیادہ ختم ہوگئی۔ گھیسو نے دو سیر پوریاں منگوائیں، گوشت اور سالن۔ اور چٹپٹی کلیجیاں اور تلی ہوئی مچھلیاں۔ شراب خانے کے سامنے ہی دوکان تھی۔ مادھو لپک کر دو تپلوں میں ساری چیزیں لے آیا۔ پورے ڈیڑھ روپئے خرچ ہوگئے۔ صرف تھوڑے سے پیسے بچ رہے۔

دونوں اس وقت اس شان سے بیٹھے ہوئے پوریاں کھا رہے تھے جیسے جنگل میں کوئی شیر اپنا شکار اڑا رہا ہو۔ نہ جوابدہی کا خوف تھا، نہ بدنامی کی فکر۔ ضعف کے ان مراحل کو انھوں نے بہت پہلے طے کر لیا تھا۔ گھیسو فلسفیانہ انداز سے بولا۔ ہماری آتما پرسن ہو رہی ہے تو کیا اُسے پُن نہ ہوگا؟

مادھو نے فرقِ عقیدت جھکا کر تصدیق کی۔ جرور سے جرور ہوگا۔ بھگوان، تم انتر جامی (علیم) ہو۔ اُسے بیکنٹھ لے جانا۔ ہم دونوں ہردے سے اُسے دعا دے رہے ہیں۔ آج جو بھوجن ملا وہ کبھی عمر بھر نہ ملا تھا۔

ایک لمحہ کے بعد مادھو کے دل میں ایک تشویش پیدا ہوئی۔ بولا۔ کیوں دادا، ہم لوگ بھی تو وہاں ایک نہ ایک دن جائیں گے ہی۔

گھیسو نے اس طفلانہ سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ مادھو کی طرف پر ملامت انداز سے دیکھا۔

"جو وہاں ہم لوگوں سے وہ پوچھے کہ تم نے ہمیں کھپن کیوں نہیں دیا تو کیا کہوگے؟"

"کہیں گے تمہارا سر"

"پوچھیگی تو جرور"

"تو کیسے جانتا ہے اُسے کھپن نہ ملے گا؟ تو مجھے ایسا گدھا سمجھتا ہے! میں ساٹھ سال دنیا میں کیا گھاس کھودتا رہا ہوں۔ اُس کو کھپن ملے گا اور اس سے بہت اچھا ملے گا جو ہم دیتے۔"

مادھو کو یقین نہ آیا۔ بولا۔ کون دے گا؟ روپئے تو تم نے چٹ کر دئے؟

گھیسو تیز ہو گیا۔ میں کہتا ہوں اُسے کھپن ملے گا۔ تو مانتا کیوں نہیں؟

"کون دے گا۔ بتلاتے کیوں نہیں؟"

"وہی لوگ دیں گے جنھوں نے ابکی دیا۔ ہاں وہ روپئے ہمارے ہاتھ نہ آئیں گے۔ اور اگر کسی طرح آجائیں تو پھر ہم اسی طرح یہاں بیٹھے پئیں گے۔ اور کھپن تیسری بار ملے گا۔"

جوں جوں اندھیرا بڑھتا تھا اور ستاروں کی چمک تیز ہوتی تھی، مے خانہ کی رونق بھی بڑھتی جاتی تھی۔ کوئی گاتا تھا، کوئی بہکتا تھا، کوئی اپنے رفیق کے گلے لپٹا جاتا تھا، کوئی اپنے دوست کے منہ میں ساغر لگائے دیتا تھا۔ وہاں کی فضا میں سرور تھا، ہوا میں نشہ۔ کتنے تو چلو میں اُلّو ہو جاتے ہیں۔ یہاں آتے تھے صرف خود فراموشی کا مزہ لینے کے لئے، شراب سے زیادہ یہاں کی ہوا سے مسرور ہوتے تھے۔ زیست کی بلا یہاں کھینچ لاتی تھی۔ اور کچھ دیر کے لئے وہ بھول جاتے تھے کہ وہ زندہ ہیں، یا مُردہ ہیں، یا زندہ درگور ہیں۔

اور یہ دونوں باپ بیٹے اب بھی مزے لے لے کر چسکیاں لے رہے تھے۔ سب کی نگاہیں ان کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں دونوں۔ پوری بوتل بیچ میں ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر مادھو نے بچی ہوئی پوریوں کا پتّل اٹھا کر ایک بھکاری کو دیدیا جو کھڑا ان کی طرف گرسنہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور "دینے" کے غرور اور مسرت اور ولولہ کا اپنی زندگی میں پہلی بار احساس کیا۔

گھیسو نے کہا۔ لے جا۔ کھوب کھا اور اسیرباد دے۔ جس کی کمائی ہے وہ تو مر گئی، مگر تیرا اسیرباد اُسے جرور پہونچ جائے گا۔ روئیں روئیں سے اسیرباد دے۔ بڑی گاڑھی کمائی کے پیسے ہیں۔

مادھو نے پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ بیکنٹھ میں جائے گی دادا بیکنٹھ کی رانی بنے گی۔

گھیسو کھڑا ہو گیا اور جیسے مسرت کی لہروں میں تیرتا ہوا بولا۔ ہاں بیٹا، بیکنٹھ میں جائیگی۔ کسی کو ستایا نہیں۔ کسی کو دبایا نہیں۔ مرتے مرتے ہماری جندگی کی سب سے بڑی لالسا پوری کر گئی۔ وہ نہ بیکنٹھ میں جائے گی تو کیا یہ موٹے موٹے لوگ جائیں گے جو گریبوں کو دونوں ہاتھ سے لوٹتے ہیں۔ اور اپنے پاپ کو دھونے کے لئے گنگا میں جاتے ہیں اور مندروں میں جل چڑھاتے ہیں۔

یہ خوش اعتقادی کا رنگ بھی بدلا۔ تلون نشہ کی خاصیت ہے۔ یاس اور غم کا دورہ ہوا۔ مادھو بولا۔ مگر دادا بیچاری نے جندگی میں بڑا دکھ بھوگا۔ مری بھی کتنا دکھ جھیل کر۔ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا۔

گھیسو نے سمجھایا۔ کیوں روتا ہے بیٹا۔ کھس ہو کہ وہ مایا جال سے مکت ہو گئی۔ جنجال سے چھوٹ گئی۔ بڑی بھاگوان تھی جو اتنی جلد مایا موہ کے بندھن توڑ دیئے۔

اور دونوں وہیں کھڑے ہو کر گانے لگے۔

ٹھگنی کیوں نینا جھمکاوے، ٹھگنی۔

سارا میخانہ محو تماشا تھا اور یہ دونوں مکیش مخمور محویت کے عالم میں گائے جاتے تھے۔ پھر دونوں ناچنے لگے۔ اچھلے بھی، کودے بھی، گرے بھی، مٹکے بھی۔ بھاؤ بھی بتائے اور آخر نشہ سے بدمست ہو کر وہیں گر پڑے۔